Regd. No. A. 922
Telephone No. 29
Telegram "ANJUMAN"

قیمت سالانہ تین روپے
ایک پرچہ دس نئے پیسے
تاریخ اشاعت
۱۵ - ۸ - ۵۷

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

ایڈیٹر :- آل احمد سرور

جلد ۱۶ | علی گڈھ - ۱۵ اگست ۱۹۵۷ ع | شمارہ ۳۱

اردو ٹائپ اور نستعلیق

از - سید شہاب الدین دسنوی

علی گڑھ اردو کانفرنس میں اصلاح رسم خط کمیٹی کی رپورٹ کے پیش کئے جانے کے بعد یہ بحث چھڑ گئی کہ اردو طباعت کے لئے ٹائپ اور لیتھو پریس کو رواج دیا جائے یا موجودہ طریقہ کتابت اور لیتھو پریس کو برقرار رکھا جائے۔ اس سلسلے میں جو خاص باتیں معرض بحث رہیں وہ حسب ذیل تھیں۔

(۱) نستعلیق کے مقابلے میں ٹائپ تقریباً ½ زیادہ جگہ گھیرتا ہے اس لئے کاغذ زیادہ خرچ ہوگا۔

(۲) ٹائپ کی چھپائی مہنگی ہوتی ہے۔

(۳) ان دونوں باتوں کی وجہ سے جو کتاب ٹائپ میں چھپتی ہے وہ زیادہ مہنگی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ،

(۴) ٹائپ اختیار کر لینے کے بعد نستعلیق کا حسن ایک فن کی حیثیت سے جاتا رہے گا۔

(۴) کتابت کے طریقے میں فائدہ یہ ہے کہ کام تیز کرنا ہو تو کئی کاتب ایک ساتھ بٹھائے جا سکتے ہیں۔

(۵) ٹائپ کے رواج کے بعد بہت سے کاتب بے روزگار ہو جائیں گے۔

یہ اعتراضات تے نہیں ہیں لیکن کانفرنس میں یہ کچھ اس طرح اچانک طور پر سامنے آ گئے کہ ان کے جواب میں جو ٹھوس ثبوت پیش کئے جا سکتے تھے ان کا موقع نہ مل سکا۔ مگر یہ مسئلہ اب بھی رسم خط کمیٹی کے سامنے ہے اس لئے یہ معروضات پیش کرتا ہوں۔

میرے سامنے ایک ہی کتاب کے دو ایڈیشن ہیں۔ انجمن ترقی اردو ہند کی شائع کی ہوئی کتاب "ترقی پسند ادب" کا پہلا ایڈیشن قیصر پریس بمبئی میں ۱۸ پائنٹ نسخ ٹائپ میں ۱۹۵۱ء میں چھپا تھا اور دوسرا ایڈیشن ۱۹۵۷ء میں یونین پریس دہلی میں نستعلیق اور لیتھو کا چھپا ہوا ہے۔

اب اعتراض ۱ اور ۳ کی روشنی میں ان دونوں کا مقابلہ کیجئے۔

کتاب : ترقی پسند ادب

مد مقابلہ	نسخ ٹائپ	نستعلیق (لیتھو)	فرق
۱. تعداد صفحات (مع دیباچہ)	۲۶۹	۲۵۶	۱۳ +
۲. سطریں فی صفحہ	۲۲	۲۲	-
۳. فی صفحہ الفاظ کی تعداد	۲۶۰	۲۶۳	۳ +
۴. فٹ نوٹ کی عبارت کی جگہ	۱۰۳/۸ انچ	۴ انچ	۲۸۸ -
۵. قیمت	۶/- روپے	۴/۱۴ روپے	۲/۲ روپے

اس مقابلے سے ظاہر ہے کہ پوری کتاب میں ٹائپ کے استعمال سے ۳۳ فیصدی نہیں بلکہ صرف پانچ فیصدی کاغذ کا اضافہ ہوا۔ صفحات گننے میں مقدمہ، ٹائٹل وغیرہ چھوڑ کر صرف کتاب کے مواد کے صفحات سامنے رکھے گئے ہیں۔ فی صفحہ الفاظ کی تعداد گننے کے لئے ٹائپ میں چھپی ہوئی کتاب کا صفحہ ۲۰۵ اور لیتھو کا صفحہ ۱۹۰ ملاحظہ ہو دونوں کی عبارت بالکل ایک ہے۔ لیتھو کے صفحہ پر صرف تین لفظ زیادہ آئے ہیں۔

فٹ نوٹ کی عبارت عام طور سے خفی خط میں ہوا کرتی ہے پہلے ایڈیشن کے صفحہ ۲۰ ، ۱۲۹ پر جو عبارت ۱۰ پائنٹ نسخ میں چھپی ہے بالکل وہی عبارت دوسرے ایڈیشن یعنی لیتھو کے صفحہ

۱۳۵ پر صفحہ ہے لیکن لیتھو میں ۲۲ فیصدی جگہ زیادہ صرف ہوئی ہے۔ دوسرے الفاظ میں کہا جاسکتا ہے کہ نستعلیق طرز میں خفی قلم میں لکھی ہوئی عبارت ٹائپ کے مقابلے میں زیادہ جگہ گھیرتی ہے۔

اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ کاغذ کے تصرف کے اس معمولی فرق کے بعد کیا وجہ ہے کہ پہلے ایڈیشن کی قیمت چھ روپے اور دوسرے کی صرف تین روپے بارہ آنے قرار پائی۔ اس سے تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ٹائپ کی طباعت واقعی مہنگی ہے۔ اس مسئلے کو سمجھنے کیلئے پہلے چند بنیادی باتیں ٹائپ کی چھپائی کے بارے میں ذہن نشین ہونی چاہئیں۔ اردو ٹائپ کے ایسے پریس جن میں کتابیں چھاپی جاسکیں بہت کم ہیں اس لئے اردو کے کمپوزیٹر بھی آسانی سے نہیں ملتے۔ دوسرے یہ کہ اردو کے اچھے اور خوشنما ٹائپ بہت ہی کم پریس میں ملیں گے۔ چونکہ اب تک ٹائپ کا رواج عام نہیں ہے اس لئے ان دونوں کا مارکٹ بھی بہت محدود ہے۔ لازمی طور پر اس کا اثر قیمتوں پر پڑتا ہے۔ اب لیتھو اور ٹائپ کی چھپائی کا حساب لگائیے۔ مناسب یہ ہوگا کہ ہم فی صفحہ کتابت اور کمپوزنگ کی اجرتوں کا مقابلہ کریں کیونکہ اس کے بعد بقیہ اخراجات کاغذ طباعت، جلد بندی وغیرہ کے ہوں گے جو دونوں صورتوں میں یکساں رہیں گے۔

بمبئی میں ڈیمائی سائز کتاب کی اچھی قسم کی کتابت سوا روپے فی صفحہ تک ہوتی ہے۔ ایک اردو کمپوزیٹر دن بھر میں اسی سائز کے چار صفحے کمپوز کرسکتا ہے اور اس کی اجرت ۵ روپے یومیہ ہوتی ہے جو سوا روپے فی صفحہ پڑتی ہے اس طرح کمپوزنگ اور کتابت کی اجرت میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ٹائپ بار بار استعمال کئے جانے کے بعد گھس کر بے کار ہو جاتا ہے اس لئے کمپوزنگ کے نرخ میں اس کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے، بالکل اسی طرح جیسے کوئی بھی مشین ایک خاص مدت کے بعد بیکار ہو جایا کرتی ہے۔

اب پیش نظر کتاب کی قیمتوں کے فرق پر غور کیجئے تو اس کی وجہ حسب ذیل نظر آئے گی:

(۱) پہلا ایڈیشن بمبئی میں چھپا ہے اور دوسرا دلی میں۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ بمبئی میں طباعت کے اخراجات ہر حیثیت سے دلی کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوتے ہیں۔

(۲) پہلا ایڈیشن ایک ایسے پریس میں چھپا ہے جس میں طباعت کے نرخ اسی شہر کے دوسرے عام پریس کے مقابلے میں زیادہ ہوتے ہیں جس کا ایک سبب اس پریس کی طباعت کی نفاست ہے۔

(۳) جس ٹائپ میں یہ کتاب چھپی ہے وہ اس پریس کا مخصوص ٹائپ ہے اس لئے اُنہی کی قیمت پر کام کرنے کی مجبوری تھی اور اس میں شک نہیں کہ یہ نہایت خوبصورت ٹائپ ہے۔

(۴) پہلا ایڈیشن جس کاغذ پر چھپا ہے وہ ولایتی کاغذ ہے جو ۵۱/- روپے فی ریم کا ہے، دوسرا ایڈیشن دیسی کاغذ پر چھپا ہے جو تقریباً ۲۶/- روپے فی ریم کا ہے۔

(۵) جلد بندی میں دونوں ایڈیشن میں کافی فرق ہے۔

ان حالات کے پیش نظر اگر پہلے ایڈیشن کی قیمت ۶/- روپے اور دوسرے کی تین روپیہ بارہ آنے رکھی گئی تو اس میں ٹائپ کا کیا قصور ہے؟

میں نے اس مسئلے پر مزید تحقیق کی خاطر بعض دوسرے پریس سے بھی معلومات حاصل کیں اور جن نتائج پر میں پہنچا ہوں وہ یہ ہیں:-

(۱) اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ پہلا ایڈیشن ایک ہزار کی تعداد میں چھپا تھا تو اس کے پریس کے نرخ کی رو سے پروڈکشن کی لاگت چار روپے فی کتاب ہوتی ہے لیکن یہی کتاب ایک دوسرے پریس میں تقریباً اسی ٹائپ میں اور اسی قسم کے ولایتی کاغذ پر چھاپی جائے تو لاگت ۲/۸ روپے فی کتاب ہوتی ہے

(۲) اور اگر کاغذ دیسی استعمال کیا جائے تو ایک کتاب کی لاگت ۲/۳ روپے ہوتی ہے۔

اس طرح دیسی کاغذ پر ٹائپ میں چھپی ہوئی کتاب دوسرے ایڈیشن کی قیمت یعنی تین روپے بارہ آنے پر فروخت کی جائے تو ایک کتاب پر ۱/۹/۵ یعنی تقریباً ڈیڑھ روپیہ بچ رہتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم تجارتی اصول سے یہ بچت کس حد تک منفعت بخش سمجھی جاسکتی ہے۔

ان سطور سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ پروڈکشن کے زاویہ نگاہ سے ہم ٹائپ کی طباعت کو جس حد تک گراں سمجھتے ہیں درحقیقت وہ اتنا نہیں ہے اگر ٹائپ کا رواج عام ہو جائے تو ایک طرف ٹائپ کے اچھے اچھے نمونے آنے لگیں گے اور دوسری طرف اس کی چھپائی سستی ہونے لگے گی۔

نستعلیق کتابت میں ایک بڑی قباحت یہ بھی ہوتی ہے کہ کسی اردو کتاب یا مضمون میں کسی دوسری زبان مثلاً انگریزی یا ہندی کا لفظ اسی کے رسم خط میں شامل کرنا ہو تو بسا اوقات ان الفاظ کی ہیئت بدل جاتی ہے کیونکہ یہ نہیں دیکھا گیا کہ اردو کا کاتب انگریزی یا ہندی کا کاتب بھی ہو

(باقی ص ۱۰ پر)

ہماری زبان

۱۵۔ اگست ۱۹۵۷ء

سر خاکِ شہیداں برگ ہائے لالہ می پاشم

۱۵۔ اگست کو سارے ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کے شہیدوں کی یاد منائی جا رہی ہے۔ ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ سے جو ہنگامہ شروع ہوا وہ محض اتفاقی امر نہ تھا۔ اس کے پیچھے مغربی استعمار سے نفرت کی آگ تھی جو مدتوں سے سلگ رہی تھی۔ انگریزوں نے جس طرح ایک ایک کر کے ہندوستان کی قوت کے ستونوں کو پامال کیا تھا، ہندوستانیوں سے جو سلوک کیا تھا، ان کی مالی، تہذیبی، تعلیمی، مذہبی اور سماجی زندگی پر جو زخم لگائے تھے وہ اتنے گہرے تھے کہ اگر یہ شورش نہ ہوتی تو تعجب ہوتا۔ اس بغاوت کی ناکامی کے جو بھی اسباب ہوں مگر اس میں شک نہیں کہ اس میں حب وطن کا گہرا جذبہ، ہندو مسلم اتحاد کا ایک زبردست مظاہرہ، مغربی استبداد کے خلاف نفرت کا شدید احساس عام تھا۔ ان شہیدوں اور سرفروشوں کی یاد منانا جنھوں نے آج سے سو برس پہلے انگریزوں کی غلامی سے ہندوستان کو آزاد کرنے کا خواب دیکھا اور اس کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دی، ہمارا ایک مقدس فریضہ ہے۔ ۱۸۵۷ء ہمارے لئے مسرت اور بصیرت دونوں کا سامان رکھتا ہے۔ مسرت اس لئے کہ ملک کے کئی حصوں سے، مختلف طبقوں اور مذاہب کے لوگ اٹھے اور انھوں نے ملک کو آزاد کرانے کے لئے جدوجہد کی۔ بصیرت اس لئے کہ وہ کسی ایک نقشے کے ماتحت کام نہ کر سکے۔ ایک بڑے قومی جوش کے اشارے پر نہ چل سکے۔ انھوں نے علیحدہ علیحدہ بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا مگر ملکی اور قومی مفاد کو ملحوظ رکھ کر جدوجہد نہ کر سکے۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو خلوص، جذبۂ حب وطن اور دلیری سے آخر تک لڑتے رہے اور ایسے بھی جو صرف ذاتی مفاد کی خاطر میدان میں آ گئے۔ ایسے بھی جو ذرا سی سختی نہ جھیل سکے اور ایسے بھی جو انتہائی ناموافق حالات کے باوجود ڈٹے رہے۔ ۱۸۵۷ء کے متعلق تاثرات، مشاہدات، روزنامچے، نظموں، مراثی کا ایک اچھا خاصا سرمایہ اردو میں موجود ہے۔ اس میں سے بہت سا شائع ہو چکا ہے مگر برابر غیر مطبوعہ مواد سامنے آتا جاتا ہے۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ انگریزی، اردو اور ہندی میں اس موقع پر قابل ذکر کتابیں حکومت کی طرف سے اور ذاتی کوششوں سے منظر عام پر آئی ہیں۔

انجمن اس موقع پر پنڈت سندر لال کی مشہور کتاب "بھارت میں انگریزی راج" کے دو حصے اردو میں شائع کر رہی ہے جو ۱۸۵۷ء سے متعلق ہیں۔ نیز بہادر شاہ ظفر کا انتخاب "نوائے ظفر" کے نام سے زیر طبع ہے۔ دونوں کتابیں اس ماہ کے آخر تک شائع ہو جائیں گی۔ ہندوستان اور پاکستان میں کئی رسالوں نے اپنے خاص نمبر بھی اس سلسلے میں شائع کئے ہیں۔ ماضی سے بصیرت حاصل کر کے مستقبل کے لئے روشنی لینا اور ماضی کے شاندار کارناموں سے ذہنی غذا حاصل کرنا ہر اچھے سماج کا فرض ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے ملک میں یہ احساس عام ہو رہا ہے۔

یوم اردو

جولائی کی کانفرنس میں یہ طے ہوا تھا کہ انجمن کی شاخیں ۲۵۔ اگست کو سارے ملک میں یوم اردو منائیں اور اس طرح اپنے جذبات و خیالات حکومت اور عوام پر واضح کریں۔ اس سلسلے میں ایک قرارداد تمام شاخوں کو مناسب ہدایات کے ساتھ بھیجی گئی ہے اور اخباروں کو بھی اس کی نقلیں روانہ کی گئی ہیں۔ اخباروں میں اس تجویز کا جو خیر مقدم ہوا ہے اور ہمارے پاس جو خطوط آئے ہیں انھیں دیکھتے ہوئے یہ توقع بے جا نہیں کہ یہ دن نہایت مناسب طریقے سے منایا جائے گا۔ دہلی، لکھنؤ، بمبئی، پٹنہ، حیدرآباد، انبالہ، جے پور، مدراس، بھوپال، میسور میں مناسب تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اردو دانوں کے لئے یہ محض ایک رسم نہیں بلکہ ایک نیا عہد و پیمان ہے اس کے ذریعے سے ہم اپنے وطن میں، اپنی زبان کے ساتھ انصاف کے طلب گار ہیں۔ اس یوم کا مقصد کسی کو رسوا کرنا نہیں، کسی کی پگڑی اچھالنا نہیں، کوئی ہنگامہ برپا کرنا نہیں، یہ اس بات کی علامت ہے کہ اردو والے بیدار ہیں وہ اپنے جائز مطالبات نہایت اتحاد کے ساتھ ملک کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ انھیں جو شکایت ہے اس کے اظہار میں بھی انھیں پس و پیش نہیں۔ ان کے سامنے جو خطرے ہیں ان سے بھی وہ ناواقف نہیں۔ لیکن انھیں یقین ہے کہ اس نئے ہندوستان میں جس کی بنیاد جمہوریت پر رکھی گئی ہے تنگ نظر حضرات کی ریشہ دوانیوں کے باوجود ایک قومی مطالبہ تسلیم ہو گا۔ اس یوم کے بعد اکتوبر میں انجمن کا ایک نمائندہ وفد صدر جمہوریہ سے ملے گا۔ اس کے بعد دسمبر میں دہلی میں جو کانفرنس ہو گی اس میں آئندہ کا پروگرام بنایا جائے گا۔

مداح کی وفات

ہماری زبان کے پڑھنے والوں کو یہ سن کر نہایت افسوس ہو گا کہ اردو کے مشہور مزاحیہ شاعر [illegible] جو مداحؔ تخلص بھی کرتے تھے ایک طویل علالت کے بعد اپنے پیدا کرنے والے سے جا ملے۔ مرحوم اردو اور فارسی کے علاوہ ہندی بھی

خوب جانتے تھے۔ انھوں نے انجمن میں کئی سال کام کیا اور اردو ہندی ڈکشنری کی تیاری میں بڑی مدد دی۔ انھوں نے ہندی ادب پر کئی مضامین بھی لکھے تھے۔ مرحوم حضرت احسن مارہروی کے شاگرد تھے۔ ان کے مزاحیہ کلام کے کئی مجموعے شائع ہو چکے تھے۔ وہ سچے قوم پرست تھے اور ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں برابر شریک رہے تھے۔ "ہماری زبان" ان کے پس ماندگان کے ساتھ اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔

معاصرین

معاصرین

ہیں اور اس کا مظاہرہ حال ہی میں کھمم کی اردو کانفرنس میں ہوا ہے جس کے درمیان میں تلگو بولنے والے پیش پیش تھے۔ شری مخدوم نے کہا کہ اردو کے مطالبات کو واضح طور پر سامنے رکھنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ ناقدین اور بالخصوص رجعت پسند عناصر کو تنقید کا موقع نہ ملے۔ انھوں نے توقع ظاہر کی کہ دسمبر میں جو اردو کانفرنس ہوگی اس میں مذکورہ بالا امور کا لحاظ رکھا جائے گا۔

(سیاست حیدرآباد)

اردو کی مقبولیت

گورداسپور کی خبر ہے کہ ایک عام جلسہ میں ریاستی وزیر مسٹر امرناتھ ودیالنکر نے ہندی ایجی ٹیشن پر نکتہ چینی کرتے ہوئے ایک ایسی بات کہہ دی جسے شاید وہ پہلے کبھی نہ کہتے۔ ہندی اور پنجابی کے ٹکراؤ میں سچائی کو بھی منہ سے بولنے کا موقع مل گیا اور بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ وزیر موصوف نے کہا کہ پنجاب کے افسر ہندی اور پنجابی کچھ نہیں جانتے صرف انگریزی اور اردو کو قومی اور علاقائی زبان سمجھتے ہیں۔ واصل یہ ہر صوبے کی صدا ہے کہ اردو کو بحال کرو۔ لیکن حالات نے اس قدر دباؤ ڈالا ہے کہ دل کی آواز دل ہی میں گھوم رہی ہے اور جاننے والے خاموشی سے تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ خود اردو کی توانائی کا یہ حال ہے کہ وہ دبانے کے باوجود ابھر رہی ہے اس کا وہی حال ہے کہ مسافر اپنی بلی کو تھیلے میں بند کرکے سفر کر رہا ہے اور اسے بار بار دباتا ہے کہ کہیں ٹکٹ چیکر نہ دیکھ لے۔ مگر بلی ہے کہ حرکت کرنے سے باز نہیں آتی۔ اردو کو گلا دبا دبا کر ختم کیا جا رہا ہے مگر وہ بھی اس قدر جان دار ہے کہ اچھل کود سے باز نہیں آتی۔ خدا اردو کو نظر بد سے بچائے۔ اگر دلوں کی آواز باہر نکلنے لگے تو صدر جمہوریہ کو بھی معلوم ہو کہ ملک کی حقیقی خواہش کیا ہے اور اسے کس طرح پورا ہونا چاہئے۔

(الجمعیۃ دہلی)

ضروری خط و کتابت صرف جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند کے پتے پر کیجئے

اردو کانفرنس

اردو ہال حیدرآباد کے ایک جلسے میں جناب فضل الرحمن صاحب اور مخدوم محی الدین صاحب نے علی گڑھ کی حالیہ اردو کانفرنس کے متعلق اپنے تاثرات بیان کئے جس میں انھوں نے انجمن ترقی اردو حیدرآباد کی نمائندگی کی تھی۔

جناب فضل الرحمن صاحب نے بتایا کہ انجمن کی شاخوں کے نمائندوں کے اجتماع میں جب انھوں نے کہا کہ حیدرآباد میں خانگی مساعی سے اردو ہال تعمیر کیا گیا ہے اور ایک اردو کالج قائم ہو گیا ہے تو دیگر نمائندوں کو یہ سن کر بڑی حیرت ہوئی کیونکہ انجمن کی کسی اور شاخ نے ایسا کارنامہ انجام نہیں دیا تھا۔ اردو کالج کے نتائج کو سن کر بھی بیشتر نمائندوں نے کالج کے متعلق معلومات حاصل کئے۔

جناب فضل الرحمن صاحب نے کہا انھوں نے یہ محسوس کیا کہ اردو کی زیادہ شدید مخالفت ان ریاستوں میں ہے۔ جہاں ہندی علاقائی زبان ہے اور ان ہی علاقوں میں اردو والے بھی اپنی زبان کو سرکاری حیثیت دینے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ موصوف نے کہا کہ علی گڑھ کی اردو کانفرنس سو فیصدی کاروباری نوعیت کی تھی اور کانفرنس میں جو کہ سخت گرما میں منعقد ہوئی تھی۔ پنجاب اور کشمیر جیسے دور دراز مقامات سے مندوبین کی شرکت اردو سے ان کی محبت اور خلوص کا پتہ دیتی تھی۔ کانفرنس میں موصوف نے یہ بھی محسوس کیا کہ انجمن کے ارباب مقتدر اس اہمیت کو شدت سے محسوس کر رہے ہیں کہ اردو کی اشاعت اور ترقی کے لئے بہت زیادہ کام کرنے کی ضرورت ہے۔

شری مخدوم محی الدین نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا کہ علی گڑھ کانفرنس میں اردو کی اہمیت کو ایک نئے ڈھنگ سے پیش کیا گیا اور وہ یہ تھا کہ اردو ایک کل ہند زبان ہے لیکن اس کے ساتھ ہی بعض ریاستوں میں اردو کو سرکاری زبان قرار دینے کا مطالبہ کیا گیا آندھرا پردیش کی حد تک انھوں نے اس مطالبہ کی مخالفت کی اور یہ واضح کیا کہ سرکاری زبان بنانے کا مطالبہ مبہم ہے اور یہ کہ اس کی بجائے صاف طور پر مطالبہ کیا جانا چاہئے کہ نظم و نسق، تعلیم، عدالتوں اور کن کن شعبوں میں اردو کو کیا مقام ملنا چاہئے۔ شری مخدوم نے کہا کہ حیدرآباد میں اردو والوں کے تلگو، ہندی اور دیگر زبانوں والوں سے جو خوشگوار تعلقات ہیں اور جو شمالی ہند کے اردو والوں کے وہم و گمان تک میں نہیں آسکتے اس کی یہی ایک خاص وجہ ہے کہ یہاں اردو والوں نے معقول اور واضح مطالبات پیش کئے۔ چنانچہ ہندی اور تلگو کے ادیب بھی ان کی تائید کرتے

انجمن کی خبریں

جمشید پور میں یوم اردو

انجمن ترقی اردو دسنگھ بھوم) جمشید پور کے ارباب حل و عقد نے ۲۶ اگست بروز اتوار مرکز کی ہدایتوں کے بموجب موثر طور پر یوم اردو منانے کا فیصلہ کیا ہے۔ تمام مقامی اداروں سے پرزور اپیل کی گئی ہے کہ وقت کے انتہائی نازک اور اہم مسئلے کو حل کرنے کے لئے اپنا دست تعاون بڑھائیں۔ مسلم سبھا پنجابی سبھا اور دیگر اداروں کے ارکان سے انفرادی طور پر بھی استدعا کی گئی ہے کہ جلسہ میں شریک ہو کر انجمن کے لوگوں کو اپنے خیالات اور مشوروں سے مستفیض ہونے کا موقع دیں۔ جناب جیب آروی صدر انجمن ترقی اردو دسنگھ بھوم) جمشید پور نے اپنے ساتھیوں سے اپیل کی ہے کہ وہ مرکز کی ہدایتوں کا پورا پورا احترام کریں تاکہ انجمن کا وقار قائم رہے اس وقت تک صورت حال نہایت ہی حوصلہ کن اور امید افزا ہے۔

اراکین انجمن ترقی اردو (سنگھ بھوم) جمشید پور کو پوری امید ہے کہ یہ جلسہ شاندار ہوگا

کیف پرتاب گڑھی
جنرل سکریٹری

قطعات

شمع زریں کی نرم لو اے دوست
جانے کیوں غم زدہ تخیل کو
جب اندھیرے کو جگمگاتی ہے
تیری آواز یاد آتی ہے

کیف بر ساقی ہے بزم ہوش پر
ساز کے تاروں سے جیسے پھوٹ کر
اس طرح سے ہر کرن اس آنکھ کی
روح پر چھاتی ہے میٹھی راگنی

بکھرے بکھرے یہ عنبریں گیسو
اڑ رہی ہیں ہوائیاں رخ پر
نوک مژگاں پہ اشک لرزاں ہیں
آپ کس کے لئے پریشاں ہیں

یاد حسن و صفات کرتے ہیں
چشم و دل اس طرح شب فرقت
تیری آنکھوں کی بات کرتے ہیں
اہتمام حیات کرتے ہیں

بات ترے گیتوں کے رس سے
جیسے دور کسی ڈالی پر
یوں چھیں مست ہوائیں اچھل
بول اٹھے رہ رہ کے کوئل

ستیش چندر نقش

جنرل سکریٹری کا دورہ بمبئی

پروفیسر آل احمد سرور صاحب جنرل سکریٹری انجمن کے کاموں کے سلسلے میں بمبئی تشریف لے جا رہے ہیں۔ ۲۵ سے ۲۸ اگست تک موصوف وہاں رہیں گے۔ قیام جناب شہاب الدین دسنوی صاحب کے مکان شیوڑی روڈ، صابو صدیق انسٹی ٹیوٹ، بمبئی میں رہے گا۔

انجمن ترقی اردو میسور

آج مورخہ ۲۳ جولائی ۱۹۵۶ء کو ایک جلسہ جناب علی محمد اسمٰعیل صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا اور اتفاق رائے سے یہ طے پایا کہ انجمن ترقی اردو کی ایک شاخ شہر میسور میں قائم کی جائے اور اس کا الحاق جلد سے جلد مرکزی انجمن سے ہو۔

جلسے میں حسب ذیل عہدہ داروں اور مجلس منتظمہ کے اراکین کا انتخاب ہوا۔

صدر:۔ ڈاکٹر اختر علی خاں صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی

نائب صدر:۔ ۱۔ علی محمد اسمٰعیل صاحب ایم۔ اے و
۲۔ سلیم تمنائی صاحب

سکریٹری:۔ عبدالغفار صاحب شکیل ایم۔ اے۔ ایل ایل بی (علیگ)

نائب معتمد:۔ برہان خاں صاحب
۔ آغا مرزا محمود سروش بی۔ اے۔ آنرز

خازن:۔ سید محمود صاحب بی ایس کا

ارکان مجلس انتظامیہ

۱۔ جناب مرزا محمود بیگ صاحب
۲۔ خلیل خاں صاحب بی ایس سی۔ بی ایل

۳۔ ظہیر احمد صاحب شاہد	۴۔ ضمیر عاقل شاہی صاحب ضمیر
۵۔ سید احمد پاشا صاحب	۶۔ احمد پاشا صاحب راہی
۷۔ خلیل احمد صاحب مبارک	۸۔ غوث محی الدین صاحب
۹۔ نظام احمد خاں صاحب	۱۰۔ فضل اللہ خاں صاحب
۱۱۔ محمود شریف صاحب	۱۲۔ احمد اللہ شریف صاحب

یوم اردو

بزم اہل ادب اجین کے جلسے میں انجمن ترقی اردو کی کانفرنس کا مجوزہ یوم اردو منانے کی تجویز پاس ہوئی اور ماسٹر مدثر علی صاحب دصدر انجمن ترقی اردو اجین) کی وفات پر تعزیت کی قرارداد منظور ہوئی اور مطالبہ کیا گیا کہ گرلز ہائی اسکول میں جسے انٹرمیڈیٹ کالج بنایا جا رہا ہے اردو پڑھانے کا معقول انتظام کیا جائے۔ اور مادھو کالج اور وکرم یونیورسٹی اجین میں بھی بی۔ اے اور ایم اے کے کلاسوں میں اردو کی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔

اُردو دُنیا

حلقہ ارباب خیال

دفتر ماہنامہ خیال کامٹی میں پنڈت سوز ہوشیارپوری کی صدارت میں ایک ادبی نشست کا انعقاد ہوا فیض انصاری ایڈیٹر خیال نے نشست کی غرض و غایت بتاتے ہوئے کہا کہ ادارہ خیال اس مجلس کے ذریعے ادیبوں شاعروں اور اہل ذوق حضرات میں ربط باہمی پیدا کرنا چاہتا ہے اور شعر و ادب پر تنقید کی اسی روایت کو زندہ کرنے کا خواہش مند ہے جو کبھی یہاں انجمن ترقی پسند مصنفین کے نام سے جاری تھی اس حلقے کے اجلاس ہر ماہ منعقد ہوں گے۔

اس پہلی نشست میں حمید جمال بی۔ اے اور فیض انصاری نے علی الترتیب ادبی مقالہ اور طنزیہ پڑھا۔ شعراء میں حمید ناگپوری شاطر حکیمی، حنیف منظر۔ ڈاکٹر عبدالعزیز۔ شمش کا مٹوی، سوز فدائی۔ بیڈھب اور عبدالرب نے اپنا کلام سنایا۔

انجمن اینگلو اردو اسکول

عرصے سے باگل کوٹ میں اردو اسکول کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی تھی۔ کیونکہ پرائمری اردو اسکول سے پاس شدہ لڑکوں کو یہاں کی مقامی ہائی اسکولوں میں داخل ہونا پڑتا تھا جہاں کا ذریعہ تعلیم کنڑ ہے اس طرح اردو لڑکوں کو انگریزی تعلیم کے سلسلے میں بے حد پریشانیاں اٹھانی پڑتی تھیں۔

اب یہاں کی مقامی انجمن رفاہ عام باگل کوٹ نے ایک انجمن اینگلو اردو اسکول کی بنیاد ڈالی اور اس کا ذریعہ تعلیم اردو قرار دیا جس سے باگل کوٹ کے اردو داں لڑکوں کے علاوہ الکل، ہنگند، کلادگی اور بلامی وغیرہ قریبی تعلقات کے اردو تعلیم یافتہ لڑکوں کو سہولتیں مل گئی ہیں۔ اس اسکول میں کنڑ کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ انجمن اسکول کا افتتاح شری مریکر صاحب مقامی سب جج نے کیا جلسے کی صدارت شری ناڈگونڈا صاحب چیرمین ضلع اسکول بورڈ بیجاپور نے فرمائی۔

مصطفےٰ خاں مداح کا انتقال

مصطفےٰ خاں صاحب مداح (احسن پھپھوندوی) کچھ عرصے سے گٹھیا کے مرض میں مبتلا تھے برابر علاج معالجہ کرتے رہے۔ بیچ میں کچھ اچھے بھی ہوگئے تھے مگر موت نے آخر پیچھا نہ چھوڑا۔ اور اچانک یہ خبر ملی کہ وہ عندلیب خوش نوا جو کبھی دوسروں کو ہنساتا تھا اور ہنسی ہنسی میں پتے کی بات کہہ جاتا تھا۔ آج ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگیا۔

احسن صاحب بڑے مخلص دوست اور بے ریا کارکن تھے ان کی ساری عمر ملک و قوم اور دوسروں کی خدمت میں گزری ان کی بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ لوگ ان کے نام اور سنجیدہ تخلص سے زیادہ مزاحیہ تخلص ہی سے آشنا ہوگئے تھے اور اسی نام سے انھیں مخاطب کرتے تھے۔

ہندی اور اردو پر پورا عبور رکھتے تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ مگر انھیں کبھی اپنی قابلیت اور فضیلت پر گھمنڈ ہوا اور نہ اس کا اظہار بے سواد لوگوں کی طرح خودساختہ القاب اور خطابات کے ذریعے کیا

انسان کی بڑائی کے لئے یہ فخر کافی ہے کہ لوگ اسے سچا اور اچھا کہیں۔ یہ بات اس بے لوث انسان کو اپنے حلقے میں حاصل تھی ؎

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی

انجمن امداد باہمی

مصنفوں، فن کاروں اور ناشروں کی مجوزہ کوآپریٹو سوسائٹی دہلی کا ایک جلسہ ۲۰ جولائی ۱۹۵۶ء کو ہوا جس میں حسب ذیل اراکین کا انتخاب عمل میں آیا۔

صدر: مالک رام
نائب صدر: حامد علی خاں
خزانچی: کیلاش چند
معتمد: جگن ناتھ آزاد
نائب معتمد: گوپی چند نارنگ۔

کیلاش چند صاحب نے سوسائٹی کے ذیلی قوانین مرتب کرکے اراکین کے سامنے پیش کئے اس سلسلے میں ایک ضمنی کمیٹی بنائی گئی جو ان قوانین کو آخری شکل دے گی۔ اس جلسے میں چند حضرات نے سوسائٹی کے مبلغ ۱۰۵۰/- روپے کے حصے خرید ہے۔ اس سے پہلے مبلغ ۱۹۵۰/- روپے کے حصے فروخت ہو چکے ہیں۔ اب کمیٹی کا اگلا جلسہ اس وقت ہوگا جب ضمنی کمیٹی اپنی رپورٹ پیش کرے گی۔

پتہ دیکھئے

اگر پتے کے گرد سرخ نشان ہے تو یہ اس امر کی علامت ہے کہ اس اشاعت سے دو اشاعتوں کے بعد آپ کی مدت خریداری ختم ہو جائے گی۔ مہربانی فرما کر ہماری زبان کی سالانہ قیمت مبلغ ۲/- روپے منی آرڈر سے بھیجئے تاکہ یہ سلسلہ جاری رہے

(منیجر)

یوپی اسمبلی میں اردو کی حمایت

۔یوپی اسمبلی کے کمیونسٹ

ممبر شری چندر جیت یادو نے آج وزیر اعلیٰ یوپی سے مطالبہ کیا کہ اردو والوں کو مطمئن کیجئے۔

شری یادو نے جو نظم و نسق کے مطالبے پر اپنی پیش کردہ تحریک تخفیف کا جواب دے رہے تھے حکومت یوپی کی لسانی پالیسی پر نکتہ چینی کی۔

انھوں نے کہا "اگرچہ ہندی زبان اترپردیش کی سرکاری زبان ہے لیکن جو سنسکرت آمیز ہندی سرکاری طور پر استعمال ہو رہی ہے وہ بہت مشکل ہے۔

شری یادو نے وزیر اعلیٰ سے کہا "اردو کے سلسلے میں سرکار کی پالیسی واضح ہونا چاہئے۔ موجودہ پالیسی سے صوبے کی اچھی خاصی آبادی مطمئن نہیں ہے آپ کا فرض ہے اسے مطمئن کیجئے۔"

یادو جی نے کہا "یہ تو ہندی والے بھی مانتے ہیں کہ اردو اسی دیش کی زبان ہے اس لئے اس کو مناسب جگہ ملنا چاہئے۔

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں)

انکار ابلیس : مصنف : شوکت سلطان و علی حماد عباسی (ترتیب دینے والے)

ناشر : متجلی نیشنل کالج میگزین ۔ اعظم گڑھ

حجم ۲۰×۳۰/۱۶ کاغذ عمدہ ۔ صفحات ۲۰۰ قیمت ۱/۴ روپے

گلنار : مصنف : عدم

ناشر : بک ڈپو ۔ امرتسر ۔ حجم ۲۰×۳۰/۱۶ کاغذ اچھا

صفحات ۱۲۸ قیمت دو روپے چار آنے

نو بہاراں : مصنف : رفیق لکھنوی

ناشر : دانش محل لکھنؤ حجم ۲۰×۳۰/۱۶ کاغذ اچھا

صفحات ۱۶۲ قیمت دو روپے چار آنے

اسلامی کشکول : مصنف : قاضی مظہر الدین احمد بلگرامی

ناشر : کتب خانہ انجمن ترقی اردو ۔ دہلی

حجم ۲۰×۳۰/۱۶ کاغذ عمدہ صفحات ۲۰۸

قیمت تین روپے (مجلد)

حضرت علی اور ان کی خلافت : مصنف : پیام شاہجہاں پوری

ناشر : ملک دین محمد اینڈ سنز ، اشاعت منزل لاہور

حجم ۲۰×۳۰/۱۶ کاغذ عمدہ صفحات ۳۰۰ قیمت ۵/۸ روپے

دلچسپ

(وزیر داخلہ) اگر حامنے اسمبلی میں بحث کا جواب دیتے ہوئے پہلے اردو لفظ تفتیش استعمال کیا اور پھر فوراً ہی پاس بیٹھے ہوئے وزیر سے مشورہ کرکے اس کی بجائے اسی کا ہم معنی انگریزی لفظ استعمال کیا تو صدر اسمبلی نے فرمایا کہ آپ کو اپنی تقریر میں اردو لفظ کے استعمال کرنے کا اتنا ہی حق ہے جتنا انگریزی لفظ استعمال کرنے کا حق ہے۔

ایک کانگریسی ممبر اسی ایوان میں تحریک تخفیف پیش کرتے ہوئے اپنی دھن میں "بھائیو!" کہہ گئے جس پر زور دار قہقہہ پڑا مگر وہ فوراً سنبھلے اور اسپیکر کو "جناب" کہہ کر مخاطب کیا۔

ایک دوست : تمہارا وہ خوبصورت توتا کہاں گیا جو بہت اچھا بولتا تھا۔

دوسرا دوست : ارے بھئی اسے چھوڑ دینا پڑا۔ میرے بیٹے نے اسے غلطی سے ریڈیو کے اوپر ٹانگ دیا تھا۔ بس وہ صرف شاستریہ سنگیت ہی گانے لگا تھا۔

(ریاست دلی کے شکریے کے ساتھ)

لسانی کمیشن کی رپورٹ

سرکاری لسانی کمیشن کی رپورٹ پارلیمنٹ کے سامنے پیش کردی گئی ہے۔ بیس اراکین پر مشتمل کمیشن نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ہندوستانی نظام سیاست کی جمہوری بنیادوں کے پیش نظر انگریزی کو ہندوستانی عوام کے تبادلہ خیالات کی زبان کی حیثیت سے تصور میں لانا غیر ممکن ہے۔ لہٰذا لازمی ابتدائی تعلیم کا پروگرام صرف ہندوستانی زبانوں کے ذریعے سے ہی پورا کیا جا سکتا ہے۔

کمیشن نے اپنی رپورٹ میں کہا کہ اس کے لیے نہ یہ ممکن ہے اور نہ ضروری کہ وہ اس موقعے پر اس بارے میں کوئی رائے ظاہر کرے کہ ۱۹۶۵ تک انگریزی کی جگہ ہندی کا استعمال قابل عمل ہوگا یا نہیں؟ اس کا دارومدار ان کوششوں پر ہے جو اس درمیانی عرصے میں کی جائیں گی۔

نظم و نسق میں سرکاری زبان کی حیثیت سے ہندی کا استعمال شروع کرنے کے لیے جن باتوں کی ضرورت ہوگی، انھیں ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کمیشن نے یہ خیال ظاہر کیا ہے۔ مرکزی حکومت کے جو شعبے ملک بھر میں پھیلے ہوئے ہیں مثلاً ریلوے ڈاک تار، کسٹم وغیرہ۔ یہ مستقل طور پر دو زبانیں استعمال کریں۔ مینی ہین ریاستی کام کے لیے ہندی کا استعمال کریں اور عوام سے رابطے کے لیے ہر علاقے میں وہاں کی علاقائی زبان کا استعمال کیا جائے۔

عدالتی زبان

سپریم کورٹ کی طرف سے جو کارروائی ہندی میں یا کسی ہندی نہ بولنے والے علاقے یا کسی ایسے شخص کو ارسال کی جائے جس کی مادری زبان ہندی نہ ہو تو متعلقہ پارٹی کے لیے اس کا ترجمہ بھی ارسال کیا جانا چاہیے۔

پنچایتوں اور تحصیل کی سطح پر دیوانی اور فوجداری عدالتوں کی زبان متعلقہ ریاست کی علاقائی زبان میں ہونی چاہیے ہائی کورٹوں کے احکام اور ڈگریاں ہندی کے ساتھ ساتھ علاقائی زبانوں میں بھی جاری کیے جا سکتے ہیں۔ ہائی کورٹ کے جج اگر چاہیں تو علاقائی زبان میں فیصلے سنا سکیں بشرطیکہ انگریزی یا ہندی میں مصدقہ ترجمہ بھی ساتھ ہو۔

تعلیمی نظام

کمیشن نے سفارش کی ہے کہ جتنی مدت تک ضروری خیال کیا جائے انگریزی تبادلِ ذریعہ تعلیم کی حیثیت سے جاری رہے اور ایک طویل مدت گزرنے کے بعد اسے ترک کر دیا جائے۔

کمیشن نے ہندوستان کی مختلف زبانوں اور ان کے ادبی ذخیرے کے درمیان تقابل کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے ہر زبان میں خوبیاں اور خامیاں دونوں ہو سکتی ہیں۔ کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ہر زبان اپنے لسانی گروپ کا ایک بہتر ذریعہ اظہار بن جائے اور وہ ملک کی ثقافتی زندگی کا ایک ہم آہنگ اور پر وقار عنصر ہو۔

کمیشن نے کہا ہے کہ ہندی کے علاوہ ملک کی دوسری زبانوں کو بھی دیوناگری رسم خط قبول کر لینا چاہیے۔ لیکن کمیشن نے کہا ہے کہ یہ چیز لازمی نہیں قرار دی جا سکتی۔ مختلف زبانوں کو اپنی مرضی سے دیوناگری رسم خط کو اپنانا مناسب ہوگا۔

اس کمیشن کی رپورٹ ۲۰۷ صفحات پر مشتمل ہے اور یہ صدر کے ایک خط اور دو اختلافی نوٹوں کے ساتھ پارلیمنٹ میں پیش کی

لسانی کمیشن سے اُردو کا مطالبہ

سرکاری زبان کمیشن نے اردو کے سلسلے میں لکھا ہے:

"یہاں ہم خاص طور سے اردو کے مسئلے کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں جسے تقریباً ان تمام ریاستوں میں جن کا کمیشن نے دورہ کیا مختلف افراد اور انجمنوں نے ہمارے سامنے پیش کیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ مختلف ریاستوں میں اردو کے سرکاری کاموں میں استعمال کرنے پر پابندی لگ جانے سے انھیں سخت مشکلات پیش آ رہی ہیں اور ان کے بچے اپنی مادری زبان اردو میں تعلیم نہیں حاصل کر پا رہے ہیں۔

کمیشن نے کہا کہ ان مشکلات کو ختم کرنے کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ بعض ریاستوں میں اردو کو دوسری زبان کا درجہ دیا جائے اور دوسری جگہوں پر اسے خاص خاص کاموں میں استعمال کرنے کی سہولتیں حاصل ہوں۔

ہم نے ان توجہ ناموں کو نہایت ہی ہمدردی سے سنا اور ان لوگوں کو بتایا کہ کمیشن کا دائرہ عمل صرف ان مسائل پر غور و خوض کرنے تک محدود ہے جو سرکاری زبان سے براہ راست یا قریبی تعلق رکھتے ہیں اور وہ ریاستوں کی سرکاری زبانوں یا لسانی اقلیتوں کی طرف سے پیش کیے جانے والے کسی مسئلے اور اس کے حل کی صورتوں سے متعلق سوالات پر غور و خوض کرنے سے قاصر ہے۔ ریاستی حد بندی کمیشن نے اپنی رپورٹ میں اقلیتی زبانوں کے سلسلے پر توجہ دی ہے اور بعض مقامات پر اردو کا خاص طور سے تذکرہ کیا ہے۔

کمیشن کو یقین ہے کہ پارلیمنٹ مرکزی حکومت ریاستی مجالس قانون ساز اور ریاستی حکومتیں اردو کے جائز مطالبات کے سلسلے میں نہایت ہی ہمدردی اور فراخ دلی کا ثبوت دیں گی۔ مختلف ریاستوں کی دیگر اقلیتی زبانوں کے سلسلے میں بھی رویہ اختیار کیا جانا چاہیے۔"

اور یہ لسانی جھگڑے

محمد صلاح الدین انصاری کلکتہ

زبان کا مسئلہ کس قدر اہم ہے اس کو ہر شخص اسی وقت محسوس کرسکتا ہے، جب وہ تعصب کی پٹی آنکھوں سے اتار کر حقائق کو انسانی زاویۂ نگاہ سے دیکھنے کی کوشش کرے لیکن اس عظیم ملک ہندوستان میں بدقسمتی سے ایسے لوگوں کی بڑی بھاری اکثریت پھیلی ہوئی ہے۔ جو حقیقت کو ٹھکرا کر بزعم خود فیصلہ کرنے کے عادی ہیں۔ لیکن اس ایک طرفہ فیصلہ سے معاملے نہیں ہوا کرتے۔ بات کا بتنگڑ بن جاتا ہے۔ مثال کے طور پر پنجاب کے حالیہ واقعات ہی کو لیجئے۔ جہاں اکثریت والے اقلیت کی زبان کو محض اس لئے ماننے سے انکار کر رہے ہیں چونکہ وہ اکثریت میں ہیں اور گورمکھی والے اقلیت میں ہیں۔ بالکل اسی نظریے کے تحت آج سارے ہندوستان سے اردو جیسی عظیم اور مقبول ترین زبان کو ہندوستان کے کونے کونے سے نکال پھینکنے کی سازش کامیاب ہوتی جارہی ہے اور اس ناپاک مہم کو کامیاب کرنے میں نیچے سے اوپر تک کے حکمراں حضرات بھی شامل ہیں۔ ایک طرف اردو کی وکالت کرنا اور دوسری طرف علاقائی حیثیت سے انکار کرنا صاف طور پر غمازی کرتا ہے کہ وہ بھی دراصل فرقہ پرستوں کے ہمنوا ہیں اور وہی کچھ چاہتے ہیں جو ایک بدترین فرقہ پرست چاہتا ہے۔ انھیں کے شہ پر فرقہ پرستی ایک بار پھر انگڑائی لینے لگی ہے۔ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ پنجابی اور آرید سماجی کشمکش اور اردو اور غیر اردو کے ساتھ بڑھتے ہوئے اختلافات کیا رنگ لانے والے ہیں۔ بظاہر یہ ایک لسانی اختلاف ہی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اپنے اندر یہ بے پناہ چنگاریاں چھپائے ہوئے ہیں۔ کسی وقت بھی ملک کی سالمیت کو شدید ضرب لگ سکتی ہے۔ قبل اس کے کہ پانی سر سے اونچا ہو حکمراں طبقہ کو سمجھ لینا چاہیے کہ لسانی بے چینی کو جس قدر جلد ممکن ہو سکے فراخدلی کے ساتھ طے کرنے کی کوشش کریں۔ ورنہ تاریخ ایک المناک کہانی لکھے گی اور آنے والی نسل اسے پڑھ کر موجودہ ارباب حکومت کے مظالم پر ماتم کرے گی۔

زبان کے معاملے میں یہاں کی اکثریت اور حکومت دونوں کو اپنی پڑوسی ملک سیلون سے عبرت لینا چاہیے جہاں کچھ دنوں سے تامل بولنے والے ہندوستانی۔ وہاں کی سرکاری زبان سنہالی کے ساتھ تامل کو بھی سرکاری زبان دلوانے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ تامل سیلون والوں کے لئے غیر ملکی زبان ہے اس کے باوجود وہاں کی حکومت نے اس زبان کی ترقی کے لئے کافی سہولتیں فراہم کردی ہیں۔ برخلاف اس کے اردو زبان سو فیصدی ہندوستانی ہونے کے باوجود اس ملک کے کونے کونے سے نکال کر ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سلائی جارہی ہے

ہماری ہندی زبان سے کوئی جنگ نہیں ہے۔ لیکن فرقہ پرست ہمیں بلاوجہ بدنام کرتے ہیں اور دنیا میں غلط طور پر حقائق کو پیش کرنے کے عادی ہیں۔ ہمارا صرف یہ جرم ہے کہ اردو کے لئے وہی حقوق ہم مانگ رہے ہیں جو یہاں کی دوسری تمام علاقائی زبانوں کو حاصل ہے۔ ہندی کے مقابلہ میں بنگالی۔ ہندی کے مقابلے میں آسامی۔ ہندی کے مقابلے میں اڑیہ۔ ہندی کے مقابلے میں تامل تیلگو۔ مرہٹی غرض ہندی کے مقابلے میں یہ سب کچھ گوارا کرسکتے ہیں۔ اگر نہیں گوارا کرسکتے تو غریب اردو کو۔ لیکن ہم ہندوستانی شہری کے ناتے سے اپنی پرامن تحریک کے ذریعے اپنے حقوق ایک نہ ایک دن منوا کر رہیں گے۔ یہاں تک کہ یو، پی۔ دہلی پنجاب بمبئی۔ آندھرا۔ بہار اور کشمیر میں علاقائی زبان اردو بھی ہو اور ان کے تمام ریڈیو اسٹیشنوں سے اردو میں خبریں دوسری زبانوں کے دوش بدوش نشر کی جائیں۔ (باقی)

قراردادیں یومِ اُردو

(۱) انجمن ترقی اردو ہند کی اردو کانفرنس منعقدہ ۳۰-۳۱ جولائی میں طے پایا تھا کہ ۱۵ اگست ۵۸ء کو ملک بھر میں "یوم اردو" منایا جائے۔ اس سلسلے میں انجمن کی تمام شاخوں کو تفصیلی ہدایات بھیج دی گئی ہیں۔ اس روز جو قرارداد جلسوں میں پاس کرکے مقامی حکومت اور مرکزی حکومت کو بھیجی جائے گی وہ حسب ذیل ہے:-

یہ جلسہ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ اردو ایک جدید ہندوستانی زبان اور ملک کی قومی زبانوں میں سے ہے۔ یہ ہندوستان کی مشترک تہذیب کی ایک قابل فخر یادگار ہے۔ اسے ہندوؤں، مسلمانوں، سکھوں، عیسائیوں کی متحدہ کوششوں نے جنم دیا اور پروان چڑھایا۔ اس کا ایک شاندار ادبی سرمایہ ہے جو اپنی انسان دوستی، جمہوریت پسندی اور اخلاقی اقدار کی وجہ سے ملک وقوم کے لئے باعث فخر ہے۔ اس کے بولنے، سمجھنے اور لکھنے پڑھنے والے ہمارے ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے ہیں اور خصوصاً دہلی، اترپردیش اور بہار میں قابل لحاظ تعداد میں آباد ہیں۔ دفاتر، عدالتوں، علمی کاموں اور تعلیم کی ہر منزل کے لئے اس کا استعمال ہوا ہے۔ ہندی، انگریزی اور بنگالی کے بعد سب سے زیادہ اخبار اس زبان میں شائع ہوتے ہیں۔ اردو بولنے والے ملک کی سب سے بڑی لسانی اقلیت ہیں جن کی تعداد ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے اعتبار سے بھی ایک کروڑ ۴۰ لاکھ ہے۔

یہ جلسہ محسوس کرتا ہے کہ آزادی کے بعد اردو زبان کو اس کا حق نہیں ملا اور مختلف ریاستوں میں اس کے استعمال پر پابندیاں لگائی گئیں جس کی وجہ سے اردو داں طبقہ قومی تعمیر میں جوش وخروش سے حصہ نہیں لے سکا اور اس طرح پورے ملک کا نقصان ہوا۔

یہ جلسہ صدر جمہوریہ کو یاد دلاتا ہے کہ انجمن ترقی اردو ہند کا جو وفد فروری ۱۹۵۴ء میں ان سے ملا تھا اس کی درخواست کا ابھی تک کوئی جواب نہیں ملا جس کی وجہ سے اردو داں طبقے میں بڑی بددلی اور بے اطمینانی ہے۔

یہ جلسہ صدر سے درخواست کرتا ہے کہ وہ دہلی، اترپردیش اور بہار میں دستور ہند کی دفعہ ۳۴۷ کے تحت اردو کو اردو رسم خط میں سرکاری اور علاقائی زبان قرار دیں تاکہ ابتدائی تعلیم وثانوی تعلیم اردو میں ہو سکے اور عدالتوں، دفاتر اور سرکاری اعلانات میں اردو کا بھی استعمال ہو اور اس طرح اردو داں طبقے کو قومی زندگی میں پورا حصہ لینے کا موقع مل سکے۔

نیز یہ جلسہ پنجاب، آندھرا، بمبئی، راجستھان، مدھیہ پردیش، میسور، مدراس اور کلکتہ میں بھی اردو بولنے والوں کے لئے سہولتیں فراہم کرنے کی درخواست کرتا ہے۔

یہ جلسہ امید کرتا ہے کہ صدر جمہوریہ جلد سے جلد اس مسئلے پر توجہ کرکے ہندوستان کی اس سب سے بڑی لسانی اقلیت کی خلش اور بے چینی کو دور کریں گے تاکہ وہ پورے جوش اور انہماک کے ساتھ وطن اور انسانیت کی خدمت کر سکے۔

آل احمد سرور

(بقیہ) اردو ٹائپ اور نستعلیق

تیسرا اعتراض نستعلیق کے حسن اور فن خطاطی کے ختم ہوجانے کے خطرے کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ اولاً تو یہ کہنا غلط ہوگا کہ ہر کاتب خطاط کہلا سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ٹائپ کے رواج سے فن خطاطی کے ختم ہوجانے کا احتمال نہیں ہے۔ نستعلیق کا فن ایران سے آیا۔ وہیں اس کا عروج ہوا اور آج جبکہ وہاں کے سارے رسالے اور اخبارات، کتابیں وغیرہ ٹائپ میں چھاپی جارہی ہیں نستعلیق رسم خط ایک فن کی صورت میں اب بھی قائم ہے۔ اخبارات اور کتابوں کی سرخیوں کے لئے نستعلیق (DISPLAY) ٹائپ کا کام دیتا ہے۔ کسی کتاب کا کوئی غیر معمولی طور پر عمدہ ایڈیشن نکالنا ہو تو وہ نستعلیق ہی میں شائع کیا جاتا ہے۔ مثلاً رباعیات عمر خیام کے بعض ایڈیشن۔ لیکن ایسے ایڈیشن میں نستعلیق ایک آرٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اردو میں بھی یہ صورت قائم رہ سکتی ہے۔

چوتھی بات کام کی تیز رفتاری کے سلسلے میں کہی گئی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ کام تیز کرنا مطلوب ہو تو کئی کاتب ایک ساتھ بٹھائے جاسکتے ہیں۔ بالکل اسی طرح کئی کمپوزیٹر بھی مل کر کام تیز کرسکتے ہیں۔ فرق اتنا ہوگا کہ کئی کاتبوں کے لکھے ہوئے صفحات مختلف خط میں ہوں گے اور ٹائپ میں یہ فرق نہ ہوسکے گا اور ہم یہ جانتے ہیں کہ بعض اچھی کتابیں صرف اس لئے بری نظر آتی ہیں کہ اس کے پہلے پچاس صفحے ایک خط میں اور دوسرے پچاس دوسرے خط میں اور بقیہ صفحات تیسرے خط میں لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ پھر یہ نہ بھولنا چاہیے کہ لائنو یا مونو ٹائپ کی مشین جس رفتار سے کمپوزنگ کا کام کرسکتی ہے اتنی رفتار سے کوئی کاتب نہیں لکھ سکتا ہے۔

آخری بات کاتبوں کی بے روزگاری سے متعلق کہی گئی۔ یہ خطرہ درست نہیں ہے۔ اگر کل ہی سے ٹائپ کے حق میں مکمل اور آخری فیصلہ ہو بھی جائے تو یہ قطعی ناممکن ہے کہ سال بھر کے اندر ساری کتابیں اور اخبارات وغیرہ ٹائپ میں چھپنے لگیں گے۔ اگر یہ کام ۱۵ سال میں بھی ہوسکا تو ہم سمجھیں گے کہ کام بہت تیز ہوا۔ اس عرصہ میں کوئی وجہ نہیں کہ ہمارے کاتب بڑے اچھے کمپوزیٹر نہ بن جائیں۔ کارخانوں میں آئے دن نئی مشینیں آتی ہیں اور پرانے ڈھنگ کی مشینیں نکال دی جاتی ہیں۔ کارخانے کے مزدور اس پر اعتراض نہیں کرتے کہ انہوں نے جس طرح کام سیکھا تھا اس کا ڈھنگ اب بدل گیا۔ اس سے ان کی بیکاری کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

اردو طبقہ اگر چاہتا ہے کہ اس کی زبان اور اس کا رسم خط ترقی کرے تو اعتراض کرنے کے بجائے دقتوں کا حل سوچنا چاہیے ورنہ اس قسم کے اعتراض سے یہی ثابت ہوتا ہے تو یہی کہ ہم میں جمود پیدا ہوگیا ہے اور ہم ترقی کرنا نہیں چاہتے۔ تعجب ہے کہ برسوں سے انجمن ترقی اردو ہند اس بات پر اصرار کرتی رہی ہے کہ اردو کی ترقی کے لئے ٹائپ اور صرف ٹائپ ہی طباعت کے لئے موزوں اور مناسب ہے گویا ہم قدم آگے کی طرف بڑھانے کے بجائے پیچھے موڑنا چاہتے ہیں۔

لغت اور استعمال عام

بہ سلسلۂ گزشتہ

رشید حسن خاں

نوشت — لکھا ہوا — فارسی لفظ ہے اور فارسی لغات میں اس کی مختلف حرکات درج ہیں۔ بہ کسر اول، بہ ضم اول، بہ فتحتین، بہ فتح اول و کسر دوم؛ اردو میں صرف بہ فتح اول و کسر ثانی رائج ہے۔

حرکت — حرکات / **ظلمت** — ظلمات / **عظمت** — یہ الفاظ اصلاً بہ فتح حرف ثانی ہیں۔ ظلمت کے سوا، کہ یہ عربی میں بہ فتح حرف ثانی و بہ سکون حرف ثانی دونوں طرح ہے۔ البتہ اس کی جمع ظلمات صرف بہ فتح حرف ثانی ہے۔ فارسی شعراء نے یہ سارے الفاظ بہ سکون حرف ثانی بھی استعمال کئے ہیں۔ اردو میں یہ الفاظ عام بول چال میں صرف بہ سکون حرف ثانی رائج ہیں۔ البتہ شعراء نے بعض جگہ بہ فتح حرف ثانی بھی استعمال کیا ہے۔ لیکن یہ استعمال صرف شعر کی حد تک محدود ہے گفتگو پر اس کا کوئی اثر نہیں ہے اور یہ ضرورت شعری کے حکم میں آجاتا ہے۔ ان الفاظ میں سے حرکت کے اصل معنی کے علاوہ ایک دوسرے معنی بھی ہیں۔ جو صرف اردو سے متعلق ہیں یعنی "کارنا شائستہ"۔ ان معنی میں صرف بہ سکون را ہے۔

جدہ — نام شہر — عربی میں شہر کے معنی میں بہ ضم ج ہے۔ بہ فتح جیم کے معنی ہیں دادی۔ لیکن اردو میں دونوں کے لئے بہ فتح حرف اول مستعمل ہے۔

سفید — لغت میں بہ فتح اول و بہ کسر اول دونوں طرح مذکور ہے۔ اردو میں صرف بہ فتح اول ہے لکھنؤ میں اس کا ایک اور تلفظ رائج ہے یعنی بہ ضم سین و فتح فا۔ میرے خیال میں دونوں تلفظ ٹھیک ہیں جو جس طرح چاہے بولے۔

دروغ — جھوٹ — فارسی لغات میں بہ ضم اول و ثانی اور بہ فتح اول و ضم ثانی دونوں طرح درج ہے۔ اردو میں صرف بہ فتح دال و ضم را مستعمل ہے۔ نیز فارسی میں واؤ معروف ہے۔ اردو میں مجہول۔

شگوفہ — کلی — اصل میں یہ بہ کاف عربی تھا۔ مرور ایام سے بہ کاف فارسی ہو گیا۔ اردو میں شروع ہی سے بہ کاف فارسی ہے۔

فاختہ — مشہور پرندہ — عربی میں تا مکسور ہے۔ فارسی میں بہ سکون خا مستعمل ہے یہی حال اردو میں ہے۔

قبضہ — اس کے دو معنی ہیں۔ دستہ چاقو وغیرہ کا۔ تصرف کسی چیز پر۔ دونوں معنی کے لئے عربی میں بہ ضم اول بھی ہے (منتخب)، اور بہ فتح اول بھی (صراح) اردو میں صرف بہ فتح اول مستعمل ہے۔

ہندسہ — نام علم، گنتی — لغات بہ فتح حرف اول و بہ کسر دونوں طرح مذکور ہے بیشتر فارسی و عربی لغات میں صرف بہ فتح اول ہے۔ صرف برہان قاطع میں بہ کسر اول درج ہے اردو میں بھی بہ کسر اول رائج ہے۔

بشارت — خوشخبری — عربی میں بہ کسر با و ضم با و بہ کسر با یہ ہر سہ طور صحیح ہے۔ اردو میں صرف بہ فتح با مستعمل ہے

رشوت — " — عربی لغات میں را پر زیر بھی ہے اور پیش بھی اردو میں را مکسور ہے۔

رضا — خوشنودی — رضاء مع ہمزۂ آخر و عربی میں اسم ہے جس کے معنی ہیں خوشنودی۔ نیز اسم ہی کے معنی میں بہ ضم را بھی ہے (صراح) اور رضی بہ کسر را مع یائے مقصورہ مصدر ہے بہ خوشنود شدن۔ لیکن منتخب میں رضی مع یائے مقصورہ بہ فتح را بہ معنی خوشنودی درج ہے۔ بہر تقدیر اہل فارس نے اس کی یا الف سے بدل کر رضا بہ معنی اسم و مصدر ہر دو بنا لیا۔ البتہ را کا کسرہ بھی باقی رہا اور فتحہ بھی لیکن اسم و مصدر کا امتیاز ختم ہو گیا۔ اردو میں یہ سارے امتیازات ختم ہو گئے صرف رضا بہ فتح ر خوشنودی کے معنی میں مستعمل ہے

نسرین — مشہور پھول — فارسی میں نون مکسور بھی ہے اور مفتوح بھی اردو میں صرف فتحہ رائج ہے۔

بنفشہ — دوائے معروف — لغات میں اس کی کئی حرکات درج ہیں۔ بہ ضم اول و ثانی۔ بہ فتح اول و ثانی ضم بہ فتح اول و ثانی اردو میں آخری حرکت یعنی بہ فتح با و نون مستعمل ہے

وکالت — عربی میں یہ بہ فتح حرف اول و بہ کسر اول دونوں طرح ہے۔ اردو میں صرف بہ فتح حرف اول مستعمل ہے۔

(باقی)

تبصرے

ڈاکٹر محمد حسن

آسمان روشن ہے (ناول) کرشن چندر

شائع کردہ:- مکتبہ افکار کراچی۔ حجم ۲۰۰ صفحات

قیمت چار روپے

کرشن چندر کی اس کتاب کو ناول کہنا کس حد تک مناسب ہوگا؟ اس میں ہیرو بھی ہے اور ہیروئن بھی اور دونوں روایتی انداز کے ہیں۔ محبوبہ جس کا نام جمیلہ ہے بے وفا ہے اور پہلی یا دوسری ملاقات ہی میں یہ بات واضح کر دیتی ہے کہ جب تک اس کا جی چاہے گا وہ اس سے محبت کرے گی، دو دن، دو گھنٹے، دو سال، ممکن ہے زندگی بھر۔ ہیرو اسحاق اس قدر وفا شعار ہے کہ وہ بانہوں کی مضبوط مچھلیوں، بیل کی گردن، اور افسانہ نگاری کی ساری صلاحیتوں کے باوجود جمیلہ سے مایوس ہو کر سات دن کے لئے کھنڈالے آتا ہے تاکہ وہ اس قصبے کے ایک خوبصورت ہوٹل میں خود کشی کرلے اور آخر میں اس وفا شعار عاشق پر یہ راز کھلتا ہے کہ

"اسے زندہ رہنا ہوگا صرف اپنی پانچ ہزار سالہ تہذیب کو بچانے کے لئے نہیں اپنی دس ہزار سالہ بربریت کو شائستہ کرنے کیلئے بھی"

اور لطف یہ ہے کہ ناول کا ایک ورق بھی خودکشی کی ذہنی فضا کی عکاسی نہیں کرتا۔ اس ناول میں نہ کہیں مایوسی ہے نہ قنوطیت، نہ زندگی سے بیزاری ــــ پھر بھی شاید اسحاق خودکشی کرنے ہی کے لئے یہاں آیا تھا۔

اگر "آسمان روشن ہے" ناول ہے تو ناکامیاب ناول ہے اس میں بات بھرپور طریقے پر نہیں کہی گئی ہے۔ کردار نگاری جیتی جاگتی اور متاثر کرنے والی نہیں ہے۔ مرد ہیں، ایلسا، جہاز امین، ایس نظام کا سیکنڈ انجینئر ملتانی۔ سب کے سب شاعری کرتے ہیں ایک ہی لہجے ایک ہی انداز اور ایک ہی جذباتیت سے بھرپور آواز میں بات کرتے ہیں اور یہ لہجہ، انداز اور جذباتیت ان میں سے کسی ایک کی نہیں ہے۔ کرشن چندر اور خالص کرشن چندر کی ہے۔ ناول میں قصہ سرے سے لاپتہ ہے اور جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ کردار اور عمل کے ذریعے سے ظاہر نہیں ہوتے ہیں بلکہ براہ راست تقریروں کے ذریعے پیش کئے گئے ہیں۔ یہ انداز مضمون نگاری میں دلکشی پیدا کرتا ہے۔ مگر افسانہ اور ناول میں شخصیت کا اس طرح براہ راست اظہار بدنما معلوم ہوتا ہے۔

شاعرانہ نثر کے وہ تمام اچھے ٹکڑے اس کتاب میں بھی موجود ہیں جو کرشن چندر کی دوسری تصانیف میں ملتے ہیں گالی پر چند اچھے جملے۔ انسان کی عظمت کا رجز۔ محبت کا تجزیہ۔ جنگ کی لعنتوں اور امن کی برکتوں کی بحث، چائے کی تعریف۔ یہ سب انشائیہ کے اچھے ٹکڑے ہیں لیکن ان ٹکڑوں کے مجموعے کو ناول کہنا بدمذاقی ہوگی۔

یہ تکنیک کے اعتبار سے نہایت خام، پلاٹ اور نقطۂ عروج کے لحاظ سے نہایت سپاٹ، کردار نگاری کے لحاظ سے کمزور ہے۔ کرشن چندر کے دل سے زندگی اور انسان سے پیار کی جو جوالا پھوٹی ہے اس کا یہ نہایت ہی بے سلیقہ اظہار ہے۔ کرشن چندر ہمارے اعلیٰ ترین افسانہ نگاروں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اگر وہ اپنے فن، تکنیک اور ناول کے لوازم سے اس قدر لاپرواہی برتیں گے تو یہ ادیبوں کی اس نئی نسل کے لئے نیک فال نہیں ہے جو ان کے زیر اثر تربیت پا رہی ہے۔ اس ناول میں نہ تجربے کی پختگی ہے نہ احساس کی گرمی۔ نہ کہنے کے لئے کوئی بات ہے نہ سنجیدہ فکر کے آثار ـــ اور ان میں کسی ایک کے بغیر اچھے ناول کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

اطہر پرویز پرنٹر پبلشر نے نیشنل پرنٹنگ کمپنی میں چھپوا کر دفتر انجمن ترقی اردو ہند سے شائع کیا